ٹوکریاں

محمد ظفراللہ

گو کہ ہم اپنے آبائی گاوں کوٹلی لو ہاراں مغربی میں بہت کم رہے پر جب بھی یادوں کی پٹاری کھلتی ہے گاوں اچک کر سامنے آجاتا ہے۔ اسکی ایک ہی وجہ ذہن میں آتی ہے کہ گاوں میں سبھی اپنے تھے اور ہمیں تو کبھی کبھی یہ لگتا ہے کہ اگر ہمارے کوی دشمن تھے تو وہ بھی بس اپنے ہی تھے۔ ہماری کوٹلی کی یادوں میں دشمنیوں کا کوئی گزر نہیں پر چونکہ یہ ایک انسانوں کی بستی تھی اور انسانی بستیوں میں کوئی نہ کوئی بات تو ہوہی جاتی ہے۔ تو ٹھیک ہے جھگڑے بھی ہوتے تھے لڑائیاں بھی ہوتی تھِیں پر یوں کہ ایک آدھ دن میں سب بھول بھال جاتا تھا۔

پرانی خاندانی دشمنیاں ہمارے گاوں میں کم ہی تھیں، ظاہر ہے کہ رنجشیں تھیں اور آپس کی مقابلے بازیاں بھی تھیں پروہ جسے دشمنی کہیں کم ہی نظر آتی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ کوٹلی لوہاراں میں زیادہ تر دو ہی برادریوں کے لوگ رہتے تھے اور سبھی لوہار تھے ۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کو غیر لوہار گردانا جاتا تھا وہ بھی بڑے ٹھسے سے لوہارا کام کرتے تھے اور لوہار کہلاتے تھے بس یہ کہہ لیں کہ ہرکہ در کان نمک رفت نمک شد کی طرح ہر کہ در کوٹلی لوہاراں رفت لوہار شد۔

یہاں ایک چھوٹا سا فرق ہے کہ ہمارے خانداں یعنی میرے پردادا کی اولاد میں سارے احمدی تھے، اس وجہ سے ہم کو ذرا مختلف گردانا جاتا تھا۔ مختلف تو ہم تھےہی احمدی ہونے کی وجہ سے پرجب ہم بھائی اسکول جانے لگے تو نتائج کی وجہ سے کچھ دلچسپ بھی ہو گئے۔ پر بھلے دن تھے ابھی لوگوں نے عقیدے کے نام پر بیر رکھنا نہیں سیکھا تھا اس لئے اکثر دلچسپی کا اظہار ہم سے احمدیت پر اعتراض کرکے کیا جاتا تھا۔ اور سچی بات یہ ہے ہمیں کچھ آتا واتا تو تھا نہیں پرپھر بھی ہم سے جیسا بھی بن پڑتا تھا کچھ سلسلے کی کتابوں سے پڑھ کر کچھ سوچ کر بحث مباحثہ کی رسم کو نبھاتے ہی رہتے تھے۔

پھر یہ بات بھی، اور ہمارا خیال ہے کہ یہ بات ہمارے گاوں سے خاص، تھی کہ اگر ہمیں کسی نے کسی مسئلے پر گھیر لیا تو کوی نہ کوی ہماری مدد کو یہ کہتے ہوئے آجاتا کہ اس بچے سے الجھنے کی بجائے کسی بڑے سے بات کرو۔ کبھی ہم اکیلے ہی پھنس جاتے تھے اور یہ کہہ کرجان چھڑاتے تھے کہ سوچ کر بتاوں گا۔ خیر تو ایسی ہی باتوں کے پیش نظر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ ذرا "معیاری" سے دلائل تیار کرنا چاہئیں کہ جو موقعے کی مناسبت سے پیش کئے جا سکیں، تا کہ درمیان میں سوچ کا دورہ نہ پڑ جائے۔

بہت سوچ بچار کے بعد جو چند ایک چیزیں سوچیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ موقعے کی مناسبت سے کہوں "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" یا " دیکھیں عقیدے کے معاملات کو ذرا دیر کو ایک طرف چھوڑیں" آپ یہ دیکھیں کہ احمدیوں کا کردار کیا ہے۔ احمدی صوم وصلات کے پابند، دیانتدار اور با کردار لوگ ہیں۔ کیا ایک مفتری ایسے لوگوں کی جماعت پیدا کر سکتا ہے؟ یہ خیال تو

بہت اچھا تھا اورہم نے اس کو گاوں میں، اور بعد کو گاوں سے باہربھی، خوب استعمال کیا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ یہ بات لوگوں کو سوچنےپر مجبور کردیتی تھی، پر اس کو گاوں میں استعمال کرنےمیں کچھ قباحت تھی۔

قباحت یہ تھی کہ اگر کسی واقف حال کے سامنے یہ بات کہہ دی تو وہ کہے گا کہ میاں تم اپنے دادا کے ایک گھر کے ایک ایسے حصے میں رہتے ہو جس میں گایوں بھینسوں کے لئے نادیں لگی ہیں۔ تمہارے تایاوں کی اولاد جو تمہارے دادا کی جائداد سے آمدنی پر پلتی ہے وہ تو ٹھاٹ سے پڑھتی ہے اور تم گھر کی روٹی چلانے کے لئے اسکول سے آکر یا اسکول سے ناغہ کرکے ادھر ادھر کے کام کرتے رہتے ہو۔ اگرسارے احمدی اتنے ہی دیا نتدار ہوتے تو تمہیں یوں تنگ نہ ہونا پڑتا۔

یہ ایک ایسا کڑوا سچ تھا جو کہ ہم کسی کی زبان سے سننا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے کوشش یہی کرتے تھے کہ کسی واقف حال کے سامنے یہ دلیل نہ دھرائی جائے۔ پر ایک روز چوک ہو گئی۔ ہمارے گاوں میں ایک دکاندار تھے، عام طور پر انکو صدیقا بوچڑ کہا جاتا تھا۔ بوچڑ اس لئے کہ ان کے بڑے، بڑے کے قصاب تھے۔ ان کے باوا نے پرچون کی دکان اور قرضوں کے لین دین میں بہت نام کمایا تھا یہ خود منیا ری کی دکان کرتے تھے۔ ابا سے انکی واقفیت ہونے کی وجہ سے ہم انکی عزت کرتے تھے اور ان کو لالا جی کہتے تھے۔

لالاجی بھی یقینا ہمارا خیال ہی رکھتے تھے، اور اکثر ہمیں مذہبی مباحث میں الجھائے رکھتے تھے۔ انکی دکان ایسی جگہ تھی۔ کہ اسکول جاتے آتے، کارخانے جاتے آتے انکی دکان کے آگے سے ہوکر گزرنا پڑتا تھا تو گویا ہم ان کے لئے گھڑے کی مچھلی تھے کہ جب وہ فارغ ہوں اور ہم کو گھر کی طرف جاتا دیکھیں تو اشارہ کر کے بلالیں ۔ انکا طریقہء واردات یہ تھا کہ چھوٹتے ایک سوال داغ دیا۔

مثال کے طور پر کہ بھئی وہ۔ محمدی بیگم کا کیا قصہ تھا ۔ جب ہم سب بیان کرچکے اور یہ بھی کہہ چکے کہ پیشگوئی میں وعید تھی اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا قصہ بھی دہرا چکے تو فرمایا کہ یہ تو میں سن چکا ہوں کوئی نئی بات بتاو ۔

ایک بار انکو اعتراض ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیشاب بہت آتا تھا اوردوران سر کی وجہ سے آپ نے خود خیال ظاہر کیا کہ شاید مراق ہے۔ ظاہر ہے کہ پیشاب کی کثرت میں پاکیزگی کا خیال رکھنا محال ہوتا ہے اور بغیر پاکیزگی کے نبوت کیا؟ اور ظاہر ہے کہ مراقی کی بات کا اعتبار کیا؟۔ ہم نے جواب میں دو زرد چادروں کی پیشگوی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ مراق کا شبہ مراق کا ثبوت نہیں ہوتا اور کہ بیماری کے باوجود صفائی کا خیال رکھا ہی ہوگا تو نبوت ملی۔ ان کا انداز وہی تھا کہ ہاں یہ تو ہم نے سن رکھا ہے۔

ہم نے اپنے خیال کے طور پر یہ رائے بھی پیش کردی کہ صاحب ایسے مریض آدمی نے جو ایک طویل عرصے تک اسلام کے دفاع میں مدلل اور مسکت کتب لکھیں وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ ہمارے خیال میں ایسے بطل جلیل پر اعتراض کرنے کی بجائے اس کا ادب کرنا چاہئے اور خدا کا

شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اس آخری زمانہ میں اسلام کے دفاع کے لئے ایک ایسے شخص کو بھیجا جس نے اپنی صحت کی پروا نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے علمی کار ہائے نمایاں انجام دئے۔

اس بات کو بھی بے اثر جاتےدیکھ کر ہم نے ذارا سا پینترا بدلا اور کہا کہ لالا جی آپ تو خود وظیفے وغیرہ کرتے رہتے اور لوگوں کے لئے استخارے بھی کرتے رہتے ہیں ذرا اپنے لئے بھی استخارہ کر لیں اور اللہ تعالی سے پوچھ لیں حضرت مرزا صاحب کی سچائی کے بارے میں۔ اس پہ وہ یوں گویا ہوئے کہ جس بات کا پتہ ہے کہ وہ غلط ہے اس کے لئے خدا سے کیا پوچھنا؟

اب یہ بات ایسی تھی کہ ہم ان کو الزام دے سکتے تھے کہ وہ عالم کل ہونے کا دعوی رکھتے ہیں پراس کی بجائے ہمیں یہ بات سوجھی کہ ان پر وہ سوچا سمجھا حربہ آزماتے ہیں۔ سو ہم نے وہ سوچے سمجھے فقرے دہرائے اور کہا کہ کیا ایک ایسا قطعی طور پر غلط آدمی ایسی نیکوکار جماعت پیدا کرسکتا ہے؟ اس پر انکی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہوی اس نے ہمیں احساس دلا دیا کہ اب وہی ہوگا جس کا ڈر تھا، یہ تو ابا کے پرانے جاننے والے ہیں پرانے حالات بھی جانتے ہیں اور گاوں ہی میں رہتے ہیں ہمارا حال بھی جانتے ہی ہونگے، اب یہ کہیں گے کہ اپنے گھر کی خبر توسناو۔

پتا نہیں کہ ان کی اس طرف توجہ نہیں ہوئی جس کا ہمیں خوف تھا یا یہ کہ انہوں نے اسی کو ذرا لپیٹ کر ہمارے منہ پر مارنے کی کوشش کی یا یہ کہ انکے ہاتھ ایک زیادہ دلآزار جواب آگیا تھا لہذا انہوں اسی پر اکتفا کرنے کی سوچی، اب وہ جانیں اور انکا خدا۔ ہم ان کی بات کو کچھ یوں دہرا سکتے ہیں کہ۔۔۔ تس پہ اس مرد بد اطوار نے کہا: گو کی ٹوکری پر ساری رات کلمہ پڑہتے رہو تو وہ صبح تک گلاب کے پھولوں میں نہیں بدل جائے گی۔

ہمارا حال دکھ اور خجالت سے خراب تھا، دکھ اس بات پر کہ ہمارے مذہب پر ایسا رکیک حملہ ہوا تھا اور خجالت اس بات پر کہ ہم سے اس بات کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ بن پڑا تھا۔ بہر حال اس وقت تو ہم نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ لالا جی آپ گو کی ٹوکری کا غلط استعمال کر رہے ہیں اگر اسی گو کی ٹوکری کو کسی کیاری میں ڈال دیں اور کیاری میں گلاب لگا دیں تو پھر ہی امید کی جاسکتی ہے۔

خیر لالاجی نے ہماری وہ بات بھی اپنے سابقہ طریق پر سنی ان سنی کردی اور ہم بھی جان بچی تو لاکھوں پائے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے کے مصداق دیر ہونے کا بہانہ کر کے گھر کو چل دئے۔ بہر حال یہ چوٹ ایسی نہیں تھی کہ آرام سے بھلائی جا سکتی، پر وقت ہر زخم پر مرہم رکھ دیتا ہے۔

پھر یوں ہوا کہ سالہا سال گذر گئے ہم بڈھے پھونس ہو گئے اور اسی منا سبت سے مذہب کی طرف کچھ زیادہ ہی راغب ہو گئے تو ایک روز اپنی یعنی انسانوں کی بلکہ دنیا کی تمام ذی روح اشیاء کی حیثیت پر غور کرتے کرتے میں لالے صدیقے بوچڑ کے سوال کا جواب بس یہ سمجھ لیں کہ پھدک کر سامنے آگیا کہ اگر وہ گو کی ٹوکری خود سمجھ کر، ساری رات نہیں، صرف ایک بار کلمہ پڑھ دے تو اس کے پاس سے ایسی مہک اٹھے گی کہ آپ گلابوں کی مہک کو بھول جائیں گے۔

بات کچھ یوں ہے کہ قرآن کریم میں اتنی بار انسان کو اسکی اوقات یاد دلائی گئی ہے کہ آدمی سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اندر کی بات کیا ہے۔ اسی اندر کی بات کی کھوج میں جب نکلے تو ہم نے یہ دیکھا کہ جاندار، اور ہم انساں بھی، خدا کی بنائی نعمتوں کو کھا کران سے توانائی حاصل کرتے ہیں اورباقی فضلے کی صورت میں، اسی رب رحمان کے بنائے ہوئے نظام کے تحت، نکال دیتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ہم جو کھاتے ہیں اس میں سے ہمارے لئے توانائی اور معدنی ضروریات کو نکالنا کوئی اتنا آسان نہیں۔ اس کے لئے ہمارے بنانے والے نے ہمارے جسم میں ایسے عرقوں کا انتظام کیا ہے جو کہ ہماری خوراک سے ہماری توانائی کی ضروریات کو،کیمیاوی عمل کے ذریعےسے، الگ کرنے میں، معدے کی بھٹی میں، مدد دیتے ہیں۔ جب معدے میں بننے والے ملغوبے سے جسم اپنی ضروریات چوس چکتا ہے تو پھر اس زاید بوجھ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی سوجھتی ہے۔

پھریہ صرف زاید بوجھ ہی نہیں ہوتا اس میں کیمیاوی عمل کے نتیجے میں ایسے غبار اور ایسے مواد پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ جسم میں رہ کر نقصان کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اس بات کا ہمیں کچھ اندازہ فراغت حاصل کرتے وقت ہو سکتا ہے، بعض اوقات بو ناقابل برداشت ہوتی ہے اور ہماری پوری کو شش ہوتی ہے کہ کسی طرح اس گند سےجلد چھٹکارا حاصل کیا جائے ۔ اسی وجہ سے ایک عرصے سے جب بھی ہم کو موقعہ ملتا ہے ہم کہہ دیتے ہیں ہم انسان تواللہ تعالی کی بنائی ہوئی نعمتوں کو گند میں بدلنے کی مشینیں ہیں۔

اب سوال یہ بھی اٹھ سکتا ہے کہ اس میں انسان کی اوقات کی بات کہاں سے آجاتی ہے؟ تو ذرا غور سے دیکھیں کہ اسی فضلے سی نکلا ہوا پانی تبخیروتقطیر کے بعد زمین سے نکلتا ہے یا بادلوں سے برستا ہے ہم پر اور ہم اسی کو پیتے ہیں اور باقی کا فضلہ مختلف جانداروں کے اندر سے ہوتا ہوا کھاد بنتا ہے اور اس میں سے ہماری ضرورت کی چیزیں اناج سبزیوں اور پھلوں کی صورت میں ہمارے سامنے،پھر، آجاتی ہیں۔

ارے ہاں ٹوکری والی بات تو رہ ہی گئی۔ بات کچھ یوں ہے کہ ہمارا خوراک سے توانائی حاصل کرنے کا عمل خاصہ وقت لیتا ہے۔ یہ نہیں کہ کھایا پیا، گھرر سے مشین چلی، اور توانائی وغیرہ ہو گئی حاصل۔ جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے وہ ہماری خوراک کے اجزاء میں کیمیاوی طور پر مقفل ہوتی ہیں۔ ان کو نکالنے کے لئے خوراک کو معدے اور آنتوں میں خاصی دیر رکھنا پڑتا ہے اور ہوں گویا ہمارے جسموں میں پاخانہ بننے کا عمل ہمہ وقت جاری رہتا ہے تو پھر ہم سب چلتی پھرتی گو کی ٹوکریاں نہ ہوئے تو کیا ہوئے؟ اور جب ہم کلمہ پڑھ لیں، سمجھ کر، تو ہمارے کردار میں جو تبدیلی آئے گی اس کی مہک کون سے گلابوں سے کم ہوگی؟ یہ بات میں اپنے پاس سے بنا کرنہیں کہہ رہا ہمارے آقا ومولا ﷺ نے ضمانت دی ہے کہ " من قال لا الہ الااللہ دخل الجنۃ"

اس حدیث کی تشہیر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بجا طور پر اعتراض تھا کہ یوں توہر کوئی کہہ دے گا کہ ہاں جی لا الہ الا اللہ۔ پر اللہ کے رسول کا کہا اپنی جگہ قائم ہے کہ اللہ جو دلوں کا حال جانتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کے ایک بندے نے صدق دل سے اسی کو اپنا معبود مان لیا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے، اور یہی ہماری جنت ہے۔ تو گویا ہمارا اس بات پر فخر کہ احمدی

اچھے ہوتے ہیں غلط تھا، اللہ تعالی ہمیں معاف کرے۔ لگتا ہے کہ کسی مذہب پر ہونا یا کسی سلسلے سے منسلک ہونا صرف دل کے اطمینان کے لئے ہے، اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہی ہے جوزیادہ متقی ہے۔ ورنہ ہم سب ہیں تو وہی ناں، معمولی معمولی سی منفعت کی خاطر لڑھک جانے والی ٹوکریاں۔

بات جو کہنا تھی وہ تو قریب قریب کہہ چکے پرایک وضاحت باقی ہے۔ ہم اچھی طرح واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا استاد چرکیں سے کوئی رشتہ جسمانی یا روحانی نہیں ۔ جسمانی اس لحاظ سے نہیں کہ ہم بڑے ہی مستند بلکہ مسٹنڈے قسم کے پنجابی ہیں، بچپن سے "میری امی آکھتی ہیں" کہہ کر توقع رکھتے آئے ہیں کہ لوگ اس سے "میری امی کہتی ہیں" ہی سمجھین گے اور روحانی اس لحاظ سے نہیں کہ کبھی خواہش کر کے انکے کلام سے استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کی ہاں اگر کوی . شعر انکا گرجتا برستا بلبلاتا دھڑدھڑاتا پاس سے گذر گیا تو سن لیا۔

ا